مولانا عبدالرحمن کیلانی

تحقیق و تنقید

مُساواتِ مردوزن

دورِ حاضر کے اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ "مرد اور عورت، مرتبہ اور مقام کے لحاظ سے ہر میدان میں برابر ہیں اور اگر نہیں تو انہیں برابر ہونا چاہیئے،" پھر اسی پر بس نہیں بلکہ آج کا مہذب مرد، عورت کو "نصف بہتر" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ آج کل حُسن کے مقابلے تو صرف عورتوں ہی کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا مرد اس میدان میں عورت کی برابری کیونکر کر سکتے ہیں؟

پھر یہ بات کچھ آج کے دَور سے مخصوص بھی نہیں۔ جب بھی کوئی بے خدا تہذیب اپنے جوبن پر آئی تو وہ عورت کو گھر سے نکال کر بازار میں لے آئی اور اس کی عصمت ایک فروختنی چیز بن کر رہ گئی۔ اس سے جہاں ایک طرف فحاشی کو فروغ حاصل ہوا تو دوسری طرف عائلی نظام کے انجر پنجر تک ہل گئے اور بہت سے جدید معاشرتی مسائل پیدا ہوگئے۔

موضوع کا تعیّن :

آج کی عورت معاشی، معاشرتی اور سیاسی سب میدانوں میں اپنی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے مردوں کے برابر کے حقوق کا مطالبہ کر رہی ہے۔ وہ کیا کچھ مانگتی ہے اور اس کا یہ مطالبہ درست ہے یا غلط ؟ ہم سرِدست اس طویل بحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ ہم اس وقت صرف دو باتوں کا جائزہ لیں گے :

۱۔ آیا قرآن نے مرد و عورت کو ہر مقام پر برابر رکھا ہے۔ یا کسی میدان میں مرد کی فوقیت یا بالادستی بھی تسلیم کی ہے ؟

۲۔ "طلوعِ اسلام" پکار پکار کر یہ کہتا ہے کہ "اس کا مخاطب جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہے، جو اسلام سے متنفر ہوتا جا رہا ہے۔ پرویز صاحب کی زندگی بھر یہ کوشش رہی کہ وہ اس جدید تعلیم یافتہ اور اسلام بیزار طبقہ کو قریب تر لانے کی کوشش کریں۔ آپ

نے اس کا طریق یہ اپنایا کہ قرآنی آیات کی تاویل اسی "مہذب طبقہ" کی خواہش کے مطابق فرمایا کرتے اور اس فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ جن قرآنی آیات سے مرد کی فوقیت کا کوئی پہلو نکلتا ہے، اس کی آپ نے کیا تاویلات پیش فرمائی ہیں۔ اور وہ کس حد تک درست ہیں؟

اسلام کے عطا کردہ حقوق

پیشتر اس کے کہ ہم اصل موضوع کی طرف آئیں ضروری معلوم ہوتا ہے، اس بات کا بھی جائزہ لے لیا جائے کہ اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں عورت کی حیثیت کیا تھی اور اسلام نے عورت کو کیا کیا حقوق عطا کیے؟ اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ اور اس کی وجوہ دو تھیں: (ا) بچی پر خرچ کرنے میں بخل (ب) سسر بننے کی عار سے بچاؤ ——— اسلام نے اس فعل کو قتل کے برابر جرم قرار دیا۔

۲۔ عورت متروکہ میراث سمجھی جاتی تھی، جو دوسری جائیداد کی طرح ورثہ میں تقسیم ہوتی تھی۔ اور اس کے بیٹے ہی اسے اپنے نکاح میں لے آتے تھے۔ اسلام نے ان دونوں باتوں کی مخالفت کی اور باپ کی منکوحہ سے نکاح کو حرام قرار دیا۔

۳۔ عورت پہلے محروم الارث تھی۔ اسلام نے اس کو وراثت میں باقاعدہ حصہ دار بنایا۔

۴۔ دورِ جاہلیت میں ایک مرد دس دس تک بیویاں رکھ سکتا تھا۔ اسلام نے اس تعداد کو چار تک محدود کر دیا۔

۵۔ عورت نکاح کے معاملہ میں بالکل بے بس تھی۔ اسلام نے اسے شوہر کے انتخاب کا حق دیا۔

۶۔ مرد جب چاہتا عورت کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیتا۔ اسلام نے طلاق پر کڑی پابندیاں عائد کر دیں اور ساتھ ہی شوہر پر دورانِ عدت کے قیام و طعام کی ذمہ داری ڈال دی۔

۷۔ اسلام نے حق مہر کو فرض قرار دیا۔ جبکہ اس سے پیشتر اسے ضروری نہ سمجھا جاتا تھا۔

۸۔ اسلام نے عورت کو حقِ ملکیت دیا۔ جبکہ پہلے وہ خود مملوکہ اور متروکہ مال تصور ہوتی تھی۔ اب عورت خاوند سے علیحدہ اپنا مال یا جائیداد رکھ سکتی اور حسبِ خواہش

ضرورت اسے خرچ کر سکتی ہے۔

۹۔ ایلاء، ظہار اور طلاق کے ذریعہ عورتوں کو خاصا پریشان اور تنگ کیا جاتا تھا۔ وہ لوگ نہ عورت کو بساتے نہ آزاد کرتے تھے۔ اسلام نے ان حرکتوں کا شدید نوٹس لیا اور کڑی پابندیاں عائد کر دیں۔

۱۰۔ اسلام میں عورت کو نکاحِ ثانی کی اجازت ہی نہیں دی گئی، بلکہ اسے ایک مستحسن فعل قرار دیا گیا اور بے شوہر رہنے کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا۔

۱۱۔ اسلام نے عورت کو معاشی لحاظ سے بالکل آزاد کر دیا اور اخراجات کی تمام تر ذمہ داری مردوں کے ذمہ ڈال دی۔ اگر عورت مالدار ہے اور اس کا شوہر غریب، تو بھی اخراجات کی ذمہ داری مرد ہی کے سر پر ہو گی۔ ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے چاہے تو خاوند اور اولاد پر خرچ کر سکتی ہے اور یہ ازراہِ احسان ہو گا۔

۱۲۔ اُس دَور میں لونڈی غلاموں کا رواج عام تھا ـــــ مالک غلاموں سے تو مزدوری کروالیا کرتے تھے، جبکہ لونڈیوں کو فحاشی کے ذریعہ کمالانے پر مجبور کرتے تھے۔ اسلام نے اس بدرسم کو حکماً بند کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

مرد کی فوقیت کے گوشے

ان تمام تر اصلاحات و حقوق کے باوجود زندگی کے چند گوشے ایسے بھی تھے، جن میں قرآن نے مرد کی بالادستی کو تسلیم کیا ہے۔ ان میں سب سے اہم گوشہ عائلی نظام کی سربراہی ہے۔ گھر کے انتظامی امور میں مرد کو اس کی بیوی اور اس کی اولاد سب پر فوقیت حاصل ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی وحدت (UNIT) بھی اس وقت تک تعمیری نتائج پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا سربراہ ایک نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی گوشے ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ایسے مقامات پر "طلوعِ اسلام" کیا توجیہات پیش کرتا ہے۔

مرد کی فوقیت اور "طلوعِ اسلام"

مرد اور عورت کا درجہ برابر ثابت کرنے میں "طلوعِ اسلام" نے نمایاں کردار ادا کیا ہے پرویز صاحب نے معاشرہ کے ایک فرضی کردار "طاہرہ" کو اپنی بیٹی منتخب فرمایا ہے

اور خود اس کے وارث بنتے ہیں۔ طاہرہ کی طرف سے سوالات بھی ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں اور جوابات تو بہر حال ہیں ہی۔ آپ نے "طاہرہ کے نام خطوط" نامی کتاب[1] لکھ کر ماڈرن عورتوں کو یقین دلایا ہے کہ قرآن کی رُو سے تمہارا مرتبہ مردوں سے کسی صورت کم نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں پرویز صاحب نے جن نکات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ **عورت کی پیدائش** | عورت کی پیدائش کے متعلق قرآنِ کریم میں مذکور ہے:

"یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً" (النساء:۱)

"اے لوگو، ہم نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کی بیوی بنائی۔ پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں!"

اس آیت میں نفسِ واحدہ سے مراد آدمؑ ہیں اور نفسِ واحدہ کے زوج سے ان کی بیوی حواؑ ہیں۔ پھر ان دونوں کے ملاپ سے بنی نوعِ انسان پیدا ہوئی۔ لیکن پرویز صاحب "نفسِ واحدہ" سے مراد وہ پہلا جرثومۂ حیات لیتے ہیں جو سمندر کے کنارے کی کائی میں آج سے اربوں سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ اور "خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا" سے مراد اس جرثومہ کا دو ٹکڑوں میں بٹ جانا ہے۔ پھر ان دونوں ٹکڑوں کے امتزاج سے اللہ نے بہت سی خلقت پھیلا دی۔

اس تاویل سے آپ نے یہ تو ثابت کر دکھایا ہے کہ پیدائش کے لحاظ سے مرد و عورت دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ یہ توجیہہ و تاویل حقائق کے خلاف ہے۔ کیونکہ:

۱۔ آج بھی جراثیم کی پیدائش کا سلسلہ اسی طرح چل رہا ہے کہ ایک جرثومہ کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو۔ اور یہ سلسلہ بدستور آگے چلتا ہے۔ ان میں امتزاج ہوتا ہی نہیں۔

۲۔ قرآن نے لفظ "زوج" استعمال فرمایا ہے۔ یعنی آگے نسلِ انسانی توالد و تناسل کے

---

[1] یہ مضمون اسی کتاب کو پیشِ نظر رکھ کر لکھا گیا ہے، اور اس میں صفحات کے نمبر بطورِ حوالہ اسی کتاب کے ہیں۔

واسطہ سے بڑھی ہے۔ لہٰذا ان دو ٹکڑوں میں سے کسی پر بھی ایک دوسرے کے زوج کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا۔

ان وجوہ کی بناء پر پرویز صاحب کی بحیثیتِ پیدائش مرد و عورت کی یکساں حیثیت ثابت کرنے کی دلیل درست نہیں۔

۲۔ مرد کی حاکمیت؟

قرآنِ مجید میں ہے:

"اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۔" (النساء: ۳۴)

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ وہ اپنے اموال سے (بیوی بچوں پر) خرچ کرتے ہیں۔ پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہیں اور مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں مال و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا ڈر ہے تو انہیں سمجھاؤ، انہیں خوابگاہوں میں علیحدہ رکھو اور انہیں زدوکوب کرو۔ پھر اگر وہ فرمانبردار بن جائیں تو ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کی قوامیت کے درج ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے:

۱۔ مرد کے عورت پر قوام یا حاکم ہونے کی دو وجوہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ مردوں کو عورتوں پر (بلحاظِ جسم و قوت) فضیلت حاصل ہے اور دوسرے اس لیے کہ بیوی بچوں پر اخراجات کی ذمہ داری مردوں کے ذمہ ڈالی گئی ہے۔

۲۔ نیک عورتوں کی بھی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مردوں کی فرمانبردار ہوتی ہیں۔ دوسرے مرد کی غیر موجودگی میں اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔

۳۔ اور نافرمان عورتوں کے لیے بتدریج تین اقدامات بتلائے گئے ہیں۔ یعنی پہلے انہیں زبانی سمجھایا جائے۔ اگر باز نہ آئیں تو پھر ان سے مرد علیحدہ رہیں۔ اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کو مار کر درست کریں۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سب باتیں چھوڑ

دیں۔ اور انہیں ایذا نہ دیں۔

اس پوری آیت میں مردوں کی عورتوں پر بالادستی کا ذکر ہے اور اس آیت کا ہر ایک حصہ دوسرے کی بھرپور تائید کر رہا ہے۔ اب یہ باتیں اس مفہوم میں بھلا پرویز صاحب کو کیسے گوارا ہو سکتی تھیں؟ لہٰذا اس آیت کی تشریح سے پیشتر آپ نے درج ذیل نکات پیش کر کے دل کا غبار ہلکا کیا ہے:

۱۔ مروجہ تراجم سب غلط ہیں۔ کیونکہ یہ عربی تفسیروں کا سا ہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

۲۔ عربی کی تفسیریں بھی غلط ہیں۔ کیونکہ وہ روایات کی تائید میں لکھی گئی ہیں۔

۳۔ اور روایات بھی سب غلط ہیں اگر یہ صحیح ہوتیں تو رسول اللہ کو چاہیئے تھا کہ ایک مستند نسخہ[1] امت کے حوالے کر جاتے، جیسا کہ قرآن حوالے کر گئے تھے۔

لہٰذا اس آیت کا جو مفہوم یا تراجم، یہ تفسیریں (خواہ کسی زبان کی ہوں) اور یہ روایات، جو پیش کرتی ہیں سب کچھ یکسر غلط ہے۔

اس تردید کے بعد آپ نے جو صحیح مفہوم پیش فرمایا، اس کے نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ اس آیت میں بات میاں بیوی کی نہیں، بلکہ معاشرہ کے عام مردوں اور عام عورتوں کی ہو رہی ہے۔

۲۔ "قَامَ الرَّجُلُ عَلَى النِّسَاءِ" کے معنی "مرد نے عورت کو روزی مہیا کی" اور یہ مرد کی ذمہ داری ہے۔ اس میں فضیلت کی کوئی بات نہیں۔

۳۔ "فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" کے معنی ایک کی دوسرے پر فضیلت ہے، مرد کی عورت پر، عورت کی مرد پر۔ مرد اپنے دائرۂ کار کے لحاظ سے افضل اور عورت اپنے دائرۂ کار کے لحاظ سے افضل ہے۔

گویا آپ نے آیت مندرجہ بالا کے پہلو ۱ سے مرد کی افضلیت یا حاکمیت کو یوں خارج کر کے طاہرہ بیٹی کو خوش کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ:

۱۔ اگر سب تراجم، تفسیریں اور روایات غلط ہیں، تو آپ کی اس تشریح کی صحت کی کیا

---

[1] طلوعِ اسلام کے اس اعتراض کا مفصل جواب قبل ازیں محدث میں "حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ" کے عنوان سے چھپ چکا ہے۔

دلیل ہے؟

۲۔ لغوی لحاظ سے بھی "قوّام" کا معنی "رزق مہیا کرنے والا" نہیں۔ بلکہ "قائم رہنے یا رکھنے والا" ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ" (النسآء: ۱۳۵)

"ہمیشہ انصاف پر قائم رہو۔"

امام راغب "قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" کا معنی "راعی اور محافظ" بیان کرتے ہیں اور صاحبِ منجد اس کا معنی "خوبصورت قد والا، معاملہ کا ذمہ دار، کفیل۔ معاملہ کی ذمہ داری پوری کرنے پر قادر۔ امیر" بتاتے ہیں۔ پرویز صاحب خود بھی "قَامَ الرَّجُلُ عَلَی الْمَرْأَۃِ" کے معنی "لغات القرآن" میں "مرد نے عورت کی کفالت کی، اس کی ضروریات کو پورا کیا اور ان کا ذمہ دار ہوا" لکھتے ہیں۔ گویا اس لفظ میں رزق مہیا کرنے سے زیادہ ذمہ داری اور نگہداشت کا پہلو نکلتا ہے اور یہی بات ہم کہتے ہیں۔

۳۔ کون کس پر افضل ہے؟ اس بات کا جواب خود اسی آیت میں ہے "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" کے ساتھ ہی "بِمَا" آیا ہے۔ جو ایک تو اس کی وجہ بیان کر رہا ہے اور دوسرے یہ وضاحت کر رہا ہے کہ یہ فضیلت مردوں کو حاصل ہے اور عورتوں پر حاصل نہیں۔

۴۔ فضیلت کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلائی ہے کہ مرد عورت کے ذریعۂ معاش کا وسیلہ ہے اور پرویز صاحب نے اس کتاب کے صـ۳۹ پر بیان فرمایا ہے کہ "یہ معیار تمہارا اپنا پیدا کردہ ہے، اللہ نے ایسا نہیں کہا۔" پھر فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:

"اگر یہ اصول صحیح مان لیا جائے کہ کمانے والوں کو کھانے والوں پر فضیلت ہوتی ہے۔ تو بڑے بڑے مدبّرین، مفکّرین اور ایجادات کرنے والوں پر کاشتکاروں کو ہمیشہ فضیلت ہونی چاہیئے اور میدانِ جنگ میں لڑنے والوں کا درجہ مزدوروں سے بہت نیچا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ، مفکّر، مدبّر اور سپاہی اناج پیدا نہیں کرتے۔"

غور فرمایا آپ نے کہ عقلِ کجرو انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے؟ ــــ کاشتکار زرِ نقد وصول کر کے اپنا غلّہ بیچ دیتا ہے۔ جب اس نے پورا عوض لے لیا تو اب فضیلت کی کیا بات باقی رہ گئی؟ یہی حال مزدور کا ہے۔ لیکن خاوند اخراجات کے عوض بیوی سے

کیا لیتا ہے؟ جیسی ضرورت مرد کو عورت کی ہے ویسی ہی عورت کو مرد کی بھی ہے۔ جنسی اشتہاء مرد و عورت دونوں میں ایک جیسی ہوتی ہے۔ اب مرد کا عورت پر خرچ کرنا فضیلت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس فضیلت کی اصل وجہ یہ ہے کہ عورت اگرچہ مالدار ہو اور خاوند غریب ہو، تب بھی اخراجات کی ذمہ داریاں مرد ہی کے ذمہ رہیں گی۔ اِلّا یہ کہ عورت اپنی خوشی اور رضامندی سے کچھ خرچ کرے ـــــ اور یہ اس کا احسان ہوگا۔

۳۔ عورت کی فرمانبرداری اب اس آیت کے دُوسرے حصہ کی طرف آیئے جو یہ ہے:

"فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ" (النساء: ۳۴)

"بس جو نیک بیبیاں ہیں تو وہ مردوں کی فرمانبردار ہیں اور مردوں کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں اپنے مال و آبرو کی خبرداری کرتی ہیں۔"

اب پرویزی نکتہ آفرینیاں ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ "مردوں کے مالوں سے عورتوں کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوں گی اور ان کی صلاحیتیں نشوونما پائیں گی (فَالصّٰلِحٰتُ)۔"

۲۔ "وہ اپنی صلاحیتوں کو اس مصرف میں لائیں جس کے لیے وہ خاص صلاحیتیں پیدا کی گئی ہیں یہ معنی ہیں "قٰنِتٰتٌ" کے۔"

۳۔ "حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ" یعنی جب اللہ کے قانون نے اس طرح عورتوں کی حفاظت (پرورش) کا سامان بہم پہنچا دیا کہ وہ اس چیز کی حفاظت کر سکیں جو پوشیدہ طور پر ان کے سپرد کی گئی ہے (یعنی جنین کی حفاظت)۔" (ایضاً ص ۵۵)

سو یہ ہے وہ "صحیح مفہوم"، جو آپ کو نہ کسی ترجمہ میں مل سکتا ہے، نہ عربی یا غیر عربی تفسیر میں، اور نہ ہی کسی روایت میں مل سکتا ہے۔ اس حد تک تو پرویز صاحب کی یہ بات یقیناً درست ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ آیا ان کی یہ تشریح بھی درست ہے یا نہیں؟ تو یہ یقیناً غلط ہے۔ اور اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔ نکتہ ۱ میں ضروریاتِ زندگی کے پُورا ہونے سے جو صلاحیتوں کے نشوونما پانے کو لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے، یہ اصول غلط اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ "صٰلِحٰتٌ" عورتوں کی ایک مستقل اور علیحدہ صفت ہے جس کا ضروریاتِ زندگی کے پُورا ہونے نہ ہونے سے

کچھ تعلق نہیں ہے۔ ایسی عورت بھی صالح ہو سکتی ہے جس کی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں۔ اور ایسی عورت، جس کی ضروریاتِ زندگی پوری ہو رہی ہوں، وہ مفسدہ بھی ہو سکتی ہے۔

۲۔ "قٰنِتٰتٌ" پر بحث کرتے ہوئے پرویز صاحب نے خود لغات القرآن میں آخری نتیجہ یہ پیش کیا ہے کہ ابن الفارس نے اس کے بنیادی معنی "اطاعت کرنا" لکھے ہیں۔ اور منجد میں اس کے معنی یہ درج ہیں: "اطاعت کرنا، کمال خاموشی کے ساتھ نماز میں کھڑا ہونا۔ خدا تعالیٰ کے آگے خشوع و خضوع کرنا۔" لہٰذا پرویز صاحب کا یہ معنی کہ "اپنی مضمر صلاحیتوں کو مصرف میں لانا" ان کی ذاتی اختراع ہے۔ جو صرف مطلب برآری کے لیے کر لیا گیا ہے۔

۳۔ "اللہ کا معنی "اللہ کا قانون" کرنا بھی آپ کے مخصوص تجریدی نظریہ ارسطو کی عمازی کر رہا ہے۔ جسے لغت سے کچھ تعلق نہیں۔

۴۔ جنین کے لیے قرآن نے ہر مقام پر حمل کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ پھر آخر اس مقام پر "غیب" کا لفظ لانے کی کیا مصلحت تھی؟

یہ تفسیر فرمانے کے بعد پرویز صاحب نے ایک اور نکتہ پیدا کیا ہے کہ:

"یہ صفات (یعنی صَالِحَاتٌ، قٰنِتٰتٌ اور حٰفِظٰتٌ) قرآن نے سورۂ احزاب (۳۳/۳۵) میں مردوں اور عورتوں کے لیے مشترکہ طور پر بیان فرمائی ہیں۔ تو اگر قانتات کے معنی عورتوں کو مردوں کا فرمانبردار لیا جائے تو کیا پھر قانتین کے معنی یہ ہوں گے کہ مرد بھی عورتوں کی فرمانبرداری کریں؟" (ص ۵۶)

اب دیکھئے اس مقام پر آپ نے متعلقہ آیت درج نہیں فرمائی، بلکہ کسی دوسرے مقام (یعنی ص ۴۱) پر درج فرمائی ہے۔ وجہ یہ کہ یہاں "قانتین اور قانتات" یعنی "مردوں اور عورتوں کے مطیع و فرمانبردار ہونے" کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور آیت کے الفاظ درج کرنے سے چونکہ اصلیت کھل سکتی تھی، لہٰذا صرف ترجمہ پر اکتفاء فرمائی ہے۔ جبکہ زیر بحث آیت میں چونکہ پہلے مردوں کا ذکر چل رہا ہے، لہٰذا اس مقام پر "قانتات" کے معنی "مردوں کی اطاعت گزار بیویاں" ہی ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس مقام پر "قانتات" کے ساتھ "قانتین" کے لفظ بھی موجود ہوتے تو پرویز صاحب کا مقصد پورا ہو سکتا تھا مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے۔

۴۔ مردوں کا عورتوں کو سزا دینے کا اختیار

اب مندرجہ بالا آیت کے تیسرے حصہ کی طرف آیئے۔ ارشادِ

باری تعالیٰ ہے:

"وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا۔" (ایضاً)

"اور جن عورتوں سے سرکشی کا تمہیں خطرہ ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو خوابگاہوں میں اکیلا چھوڑ دو اور ان کو زدوکوب کرو پھر اگر اطاعت کرلیں تو ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو۔"

اب اس حصۂ آیت کی تفسیر میں پرویز صاحب نے جو نکات پیش فرمائے، وہ یہ ہیں:

۱۔ "بات میاں بیوی کی نہیں ہو رہی بلکہ معاشرہ کے عام مردوں اور عورتوں کی ہو رہی ہے یعنی معاشرہ کے مرد معاشرہ کی عورتوں کو رزق مہیا کریں۔

۲۔ اس کے بعد بھی اگر عورتیں اپنے خصوصی فرائض سے بلا عذر سرکشی اختیار کریں، جیسا کہ آج کل بعض مغربی ممالک میں ہو رہا ہے کہ عورتوں نے مرد بننے کے چاؤ میں بلا عذر اپنے فرائض کو چھوڑ دیا۔ جس سے نسل انسانی کا سلسلہ ہی منقطع ہو جاتا ہے، تو معاشرہ ایسا انتظام کرے کہ ان کو سمجھائے۔

۳۔ اگر عورتیں سمجھانے پر باز نہ آئیں تو پھر انہیں ان کی خواب گاہوں میں چھوڑ دیا جائے، یہ ایک قسم کی نظر بندی (INTER NM ENT) کی سزا ہوگی۔

۴۔ اور اگر عورتیں اس پر بھی باز نہ آئیں تو پھر انہیں عدالت کی طرف سے بدنی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔" (ایضاً ص ۵۷)

دیکھا آپ نے کہ:

۱۔ آیت کے چند اکھٹے اور مربوط الفاظ میں ضمیریں کبھی تو معاشرہ کی طرف موڑی جا رہی ہیں اور کبھی عدالت کی طرف، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "فَعِظُوْهُنَّ" کی ضمیر آخر معاشرہ کی طرف کیوں ہے، عدالت کی طرف کیوں نہیں؟ اور "وَاضْرِبُوْهُنَّ" کی ضمیر معاشرہ کو چھوڑ کر عدالت کی طرف کیوں چلی گئی؟

۲۔ اگر معاشرہ کے عام مرد معاشرہ کی عام عورتوں کو رزق مہیا کرنے لگیں تو اس سے زیادہ فحاشی کی صورت اور کیا ہو سکتی ہے جبکہ اس حصولِ رزق کا مقصد بھی بقولِ پرویز صاحب عورتوں کی مضمر صلاحیتوں کو نشوونما دینا ہو؟

۳۔ "فَعِظُوْهُنَّ" کے تحت اب معاشرہ پر ایک اور ذمہ داری یہ بھی آن پڑی کہ وہ ایسی سرکش عورتوں کو سمجھایا کرے جو مرد بننے کے چاؤ میں اپنے فرائضِ منصبی چھوڑ دیتی ہیں۔ کیونکہ اس سے نسلِ انسانی منقطع ہو جاتی ہے۔ لیکن پرویز صاحب کی یہ بات بھی مشاہدہ کے خلاف ہے۔ یورپ کی عورتیں، مرد اس لحاظ سے بنتی ہیں کہ وہ مردوں میں آزادانہ اختلاط رکھتی اور ان کی ہی وضع اختیار کرتی ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کے "فرائضِ منصبی" پورا کرنے کا تعلق ہے تو یہ کام وہ نکاح سے بھی زیادہ کرتی ہیں۔ چنانچہ لاتعداد حرامی بچے بھی پیدا ہوتے ہیں، ایسے حرامی بچے بچی یا سرکاری تحویل میں پرورش بھی پاتے رہتے ہیں، نسلِ انسانی بھی بدستور چلتی رہتی ہے اور اس میں انقطاع بھی نہیں ہوتا ——— تو پھر یہ نشوز کیا ہوا؟

۴۔ عورتوں کو ان کی خواب گاہوں میں چھوڑنے کا مطلب "نظر بندی" بھی خوب لطیفہ ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ نظر بندی کرے گا کون؟ معاشرہ یا حکومت؟ کیونکہ یہاں میاں بیوی کا تو ذکر ہی نہیں۔

اپنے بیانات کی خود تردید لطف کی بات یہ ہے کہ خود پرویز صاحب نے "مفہوم القرآن" میں "وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ" کا مطلب (مفہوم) یہ لکھا ہے:

"تو اگلا اقدام یہ ہونا چاہیئے کہ ان کے خاوند ان سے علیحدگی اختیار کر لیں اور اس نفسیاتی اثر سے ان میں ذہنی تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔" (مفہوم القرآن ج ۱ ص ۱۸۹)

گویا "مفہوم القرآن" کی اس وضاحت نے آپ کے سب کیے کرائے پر پانی پھیر دیا ——— چنانچہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہاں بات خاوند اور بیوی کی ہو رہی ہے تو معلوم ہوا کہ:

۱۔ خاوند ہی اپنی بیوی کو رزق دینے کے ذمہ دار ہیں، نہ کہ عام معاشرہ کے عام مرد معاشرہ کی عام عورتوں کو۔

۲۔ "قٰنِتٰتٌ" سے مراد بیویوں کا خاوندوں کے لیے فرمانبردار ہونا ہے۔

۳۔ "نشوز" کا معنی خاوند کی حکم عدولی اور سرکشی ہے، نہ کہ عورت کے اپنے جنسی فرائض سے سرکشی۔

۴۔ "فَعِظُوْهُنَّ۔ وَاهْجُرُوْهُنَّ۔ وَاضْرِبُوْهُنَّ" میں مخاطب عورتوں کے خاوند ہیں ——— یعنی سرکشی کی صورت میں وہی انہیں نصیحت کریں، پھر وہی ان سے ہم بستری چھوڑ دیں، پھر بھی باز نہ آئیں تو وہی انہیں مار بھی سکتے ہیں۔

۵۔ "وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ" کا مطلب "خاوندوں کا عورتوں سے ہم بستری نہ کرنا ہے" نہ کہ (معاشرہ یا حکومت) کا انہیں نظر بند کرنا۔

۶۔ روایات و تفاسیر میں جو کچھ درج ہے وہ سب ٹھیک ہے اور پرویز صاحب نے جو کچھ لکھا، وہ غلط ہے!

(جاری ہے)